معارف
ق ۶

# مقالات

## مدینہ میں تدوین سیر و مغازی
## (پہلی صدی کے نصف آخر میں)

از
مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، سابق اڈیٹر البلاغ، بمبئی

قدماء کے نزدیک مغازی کا مفہوم بہت وسیع و جامع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے، جن میں غزوات و سرایا بھی شامل ہیں، بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ اور بنائے کعبہ سے لیکر خلفائے راشدین کے دور کے بعض احوال تک شامل ہیں، جیسا کہ اس دور کی کتابوں میں ہے، اسی وسیع مفہوم کی وجہ سے قدماء کی کتابیں کتاب المغازی کے نام سے یاد کی گئیں، حالانکہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا بیان ہے جس کا ایک حصہ غزوات و سرایا پر مشتمل ہے،

البتہ بعد کے مصنفین کی کتابیں عام طور سے سیرت کے نام سے مشہور ہوئیں، ان کے نام کچھ اور ہوتے ہیں مگر اپنے مصنفین کی نسبت سے مشہور ہیں، جیسے سیرت ابن ہشام، سیرت حلبیہ اور سیرت مغلطائی وغیرہ۔

**مدرستہ المغازی مدینہ منورہ**

جن اسلامی علوم و فنون کی تدوین کی ابتدا مدینہ منورہ میں ہوئی ان میں اولیت علم سیر و مغازی کو حاصل ہے، جس کا تعلق علم حدیث سے ہے، یہیں جہاد فرض ہوا، یہیں سے

(۴۶)

غزوات وسرایا کی مہمات روانہ ہوتی تھیں اور یہیں واپس آتی تھیں، امام مالک کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں فلاں غزوات سے اتنے اتنے ہزار صحابہ کو لے کر واپس آتے تھے، ان میں تقریباً دس ہزار مدینہ منورہ میں رہکر یہیں فوت ہوئے، باقی حضرات دوسرے شہروں میں چلے گئے، ایک محدث عبداللہ بن عبدالکریم کا بیان ہے کہ وصال نبویؐ کے وقت بیس ہزار آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والی موجود تھیں،[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں اس قدر زیادہ صحابہ شریک تھے کہ ان کے نام دفتر میں نہیں سما سکتے تھے،[2] ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوۂ تبوک آخری غزوہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شرکا کی تعداد تیس ہزار تھی،[3]

ابوزرعہ رازی کا قول ہے کہ صحابہ کا شمار کون کرسکتا ہے؟ وصال نبویؐ کے وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ موجود تھے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، ایک روایت میں ہے کہ وصال نبویؐ کے وقت مدینہ منورہ میں تیس ہزار صحابہؓ موجود تھے اور تیس ہزار مختلف قبائل و مقامات میں چلے گئے تھے،[4] ان ہی حضرات نے حدیث اور سیر و مغازی کی روایت کرکے غزوات وسرایا کی ایک ایک کیفیت بلاکم وکاست اپنے معاصر صحابہ و تابعینؒ سے بیان کی،

اسی لیے علماء نے مدینہ منورہ کو علم المغازی کا مرکز و مدرسہ قرار دیا ہے، امام سفیان ابن عینیہ کا قول ہے

| | |
|---|---|
| من اراد المغازی فالمدینۃ ومن اراد | جو مغازی حاصل کرنا چاہے اس کے لیے مدینہ ہے |
| المناسک فمکۃ، ومن اراد الفقہ | اور جو مناسک سیکھنا چاہے اس کے لیے مکہ ہے |

[1] ترتیب المدارک، قاضی عیاض ج ۱ ص ۶۷ (بیروت) [2] بخاری، کتاب المغازی، غزوۂ تبوک، [3] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۲۳ [4] الکفایہ ص ۴۰۳، وتدریب الراوی ص ۴۰۶



| | |
|---|---|
| فالکوفۃ، ولیلزم اصحاب ابی حنیفۃ[1] | اور جو فقہ کی تعلیم حاصل کرنا چاہے اس کے لیے کوفہ ہے اور ابوحنیفہ کے تلامذہ کو اختیار کرے۔ |

یہیں سے فن مغازی کی تدوین کی ابتدا ہوئی اور دوسرے شہروں کے علمائے مغازی اور مصنفین کا سلسلہ یہیں کے علماء و رواۃ سے ملتا ہے،

**پہلی صدی کے نصف آخر میں تدوین سیر و مغازی کی ابتداء**

چنانچہ یہیں کے تین ہمعصر، ہم ذوق اور ہم وطن علماء نے پہلی صدی کے نصف آخر میں سیر و مغازی کو کتابی شکل میں مدون کیا، عروہ ابن زبیر متوفی ۹۴ھ، ابان بن عثمان متوفی ۱۰۵ھ اور محمد بن شہاب متوفی ۱۲۴ھ رحمہم اللہ،

جس زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کے بارے میں تحقیق و تلاش جاری تھی اور احادیث و آثار اور سیر و مغازی کی تحدیث و روایت ہو رہی تھی، عین اسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ متوفی ۵۹ھ نے عبید بن شریہ جرہمی کو یمن کے شہر صنعاء سے دمشق بلا کر کتاب الملوک و اخبار الماضیین لکھوائی جس کا انداز افسانوی تھا، اور سوال و جواب کی صورت میں ملوک حمیر اور گذشتہ قوموں کے واقعات تھے، نیز عبید بن شریہ نے ایک اور کتاب الامثال لکھی تھی، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا مگر لقاء نہ ہوسکا، عبید بن شریہ اسکے بعد کم و بیش پچیس سال تک بقید حیات رہے اور عبدالملک بن مروان کے دور خلافت میں فوت ہوئے،[2]

ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ کی خصوصی توجہ سے لکھی جانے والی کتاب الملوک واخبار الماضیین کو

[1] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، صیمری ص ۷۵، [2] الفہرست ابن ندیم ص ۱۳۲،

عوام و خواص میں مقبولیت حاصل ہوئی، خاص طور سے یمن کے قحطانی عربوں نے حجاز کے عدنانی عربوں کے سامنے اس کتاب کو آبائی مفاخر و محاسن کے طور پر پیش کیا، سیر و مغازی کی تدوین کے دواعی و محرکات میں یہ صورت حال بھی شامل رہی اور مدینہ منورہ میں عروہ ابن زبیر، ابان بن عثمان اور محمد بن شہاب نے اور عبید بن شریہ کے وطن صنعاء میں وہب بن منبہ نے ایک ہی زمانہ میں یعنی پہلی صدی کے نصف ثانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور غزوات پر کتابیں تصنیف کیں، ان مصنفینِ سیر و مغازی کے سامنے وہ احادیث اور واقعات بھی تھے جن میں یہود و نصاریٰ اور دوسری اقوام و ملل کے قصوں کہانیوں سے شدت سے روکا گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سخت نکیر فرما کر مسلمانوں کو ذہنی و فکری ابتلا سے بچایا تھا، اور جب ان حضرات نے لوگوں کا رجحان غیروں کیطرف دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر و مغازی کو مدوّن کیا اور ان کی کتابیں عوام و خواص میں یوں مقبول و متداول ہوئیں کہ ان کی توجہ لایعنی اور بے مقصد قصے کہانی کی کتابوں سے ہٹ کر سیر و مغازی کی کتابوں کی طرف مبذول ہوگئی، محمد بن اسحاق کے متعلق محدث ابن عدی کا قول ہے کہ اگر ان کا صرف یہی ایک کارنامہ ہوتا کہ انھوں نے امراء و سلاطین کی توجہ غیر مقصدی کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کی طرف مبذول کردی تو انکی فضیلت کے لیے کافی تھا۔[۱] ایک اور بزرگ علی بن محمد خراسانی کا قول ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے نجومیوں کو دربار میں جگہ دی اور سریانی و عجمی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کرائے جن کو پڑھ کر لوگ فریفتہ ہوگئے، یہ دیکھ کر محمد بن اسحاق نے کتاب المغازی لکھی۔[۲]

مغازی کی تدوین و تصنیف کسی خلیفہ یا امیر کے حکم سے نہیں ہوئی۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مدینہ منورہ میں عروہ بن زبیر،

[۱] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴ [۲] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶،



ابان بن عثمان، محمد بن شہاب اور صنعاء میں وہب بن منبہ نے اپنی صوابدید اور احوال و ظروف کے پیش نظر اپنی اپنی کتاب المغازی لکھی، اس میں کسی خلیفہ یا امیر کے حکم یا خواہش کو کوئی دخل نہیں تھا، یہ ضرور ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے عروہ بن زبیر سے غزوۂ بدر اور فتح مکہ کے بارے میں تحریری تفصیل حاصل کی، جیسا کہ تاریخ طبری میں ہے اور اس کے صاحبزادے سلیمان بن عبدالملک نے ابان بن عثمان سے مغازی پر کتاب لکھنے کی خواہش کی، مگر ان دونوں خلیفہ اور خلیفہ زادے سے پہلے عروہ بن زبیر اور ابان بن عثمان اپنی اپنی کتاب المغازی مدوّن و مرتب کر چکے تھے، عروہ بن زبیر کی تمام کتابیں جن میں کتاب المغازی بھی تھی سنہ ۶۳ھ میں حادثۂ حرہ میں نذر آتش ہوگئی تھیں، جس کا افسوس ان کو زندگی بھر رہا اور ابان بن عثمان نے سلیمان بن عبدالملک کی خواہش پر بتایا کہ انھوں نے پہلے ہی نہایت مستند طریقہ پر کتاب المغازی مدوّن کرلی ہے، ان باتوں کی تفصیل آگے آئے گی، محمد بن شہاب نے بھی اپنے دونوں معاصر مصنفین مغازی کے زمانہ میں کتاب المغازی لکھی، ہوسکتا ہے کہ انھوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ (سنہ ۹۹ھ تا سنہ ۱۰۱ھ) کے دور خلافت میں اس کو مدون کیا ہو، جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان کو خاص طور سے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا، صنعاء میں وہب ابن منبہ متوفی سنہ ۱۱۰ھ نے بھی اسی دور میں کتاب المغازی تصنیف کی تھی،

ابتدائی کتب مغازی کی روایات

یہ کتابیں ایسے دور میں لکھی گئیں جس میں باقاعدہ تصنیف و تدوین کا رواج نہیں تھا، صحابہ اور تابعین کے پاس احادیث کے صحیفے اور نسخے غیر مرتب شکل میں موجود تھے، پہلی صدی کی انتہاء اور دوسری صدی کی ابتداء میں عمر بن عبدالعزیزؓ کے حکم سے احادیث و آثار جمع کیے گئے اور دوسری صدی کے نصف میں فقہی ترتیب و تبویب پر عالم اسلام کے مرکزی شہروں میں کتابیں لکھی گئیں اور باقاعدہ

تصنیف وتالیف کا دور شروع ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے مدینہ منورہ میں علم المغازی پر کتابیں لکھی گئیں اور اس بارے میں انواعِ حدیث کی اس نوع کو اولیت کا درجہ حاصل ہے،

یہ کتابیں اپنی اصلی شکل میں باقی نہ رہ سکیں، البتہ ان کی روایتیں حدیث اور سیر ومغازی کی کتابوں میں آگئی ہیں، عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی سنہ ۶۳ھ میں واقعۂ حرّہ میں نذر آتش ہوگئی اور ان کے تلامذہ میں ابو الاسود یتیم عروہ نے آخر عمر میں مصر جا کر اس کی روایت کی، نیز دوسرے تلامذہ کے ذریعہ اس کی بہت سی روایات محفوظ ہیں اور ابو الاسود کی روایت کا معتد بہ حصہ سنہ ۱۴۰۱ھ میں چھپ گیا ہے،

ابان بن عثمان کی کتاب المغازی خلیفہ عبد الملک بن مروان کے عتاب کی وجہ سے ضایع کردی گئی اور اس کی روایت عام طور سے نہ ہوسکی، صرف انکے تلمیذ مغیرہ بن عبد الرحمٰن نے جرأت کرکے اس کی روایت کی اور اپنے شاگردوں کو اس کے پڑھنے پڑھانے کی تاکید کی، کتب مغازی میں ابان بن عثمان کی گنی چنی چند روایتیں ملتی ہیں اور تتبع وتحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی کئی روایتیں ان کے نام کے بغیر بیان کی گئی ہیں،

محمد بن شہاب زہری کی کتاب المغازی کا اکثر وبیشتر حصہ ان کے تلامذہ نے اپنی کتابوں میں لے لیا ہے، خاص طور سے موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور معمر بن راشد اپنے استاذ کی روایات کے امین ہیں، نیز دوسرے علمائے سیر ومغازی نے اپنی کتابوں میں زہری کی روایات کثرت سے لی ہیں اور معمر بن راشد کی روایات مصنف عبد الرزاق کی کتاب المغازی میں اس کثرت سے ہیں کہ وہ گویا زہری کی کتاب المغازی ہے، ان باتوں کی تفصیل آیندہ آرہی ہے،



تیسری صدی اسلامی علوم وفنون کے شباب کا دور ہے اور اس صدی کے خاتمہ تک علمائے اسلام نے جس موضوع پر جو کچھ لکھدیا وہی بعد کے علماء ومصنفین کا سرمایۂ علم وفن ٹھہرا، یہ ضرور ہوا کہ بعد میں ان میں تہذیب وتنقیح اور تحقیق کے نئے نئے زاویے پیدا ہوئے اور اجمال کی تفصیل کی گئی مگر اس کا محور تیسری صدی تک کی تصانیف ہی تھیں، یہی حال سیر ومغازی کا ہے کہ اس زمانہ تک یہ فن تصنیفی لحاظ سے مکمل ہوگیا تھا، اس دور تک کتب سیر ومغازی کا ماخذ ومنبع پہلی اور دوسری صدی کی کتابیں تھیں، اس کے بعد علماء نے اپنے اپنے ذوق ووجدان اور احوال وظروف کے مطابق اس فن میں کتابیں لکھیں، جن میں بہت سی روایات قابلِ نقد ونظر شامل ہوگئیں،

**مدینہ میں تدوین مغازی کے دو دور**

مدینہ منورہ میں مغازی کی تصنیف ومصنفین کے دو دور ہیں، پہلا دور پہلی صدی کے نصف ثانی سے اس کے خاتمہ تک ہے جو اسلام میں باقاعدہ تصنیف وتالیف سے قبل تھا، اس میں مغازی کے مصنفین فقہائے مدینہ تھے جو خالص حدیث، فقہ وفتویٰ اور دینی علوم کے حامل تھے، جن میں علم مغازی بھی ہے، اس دور کے مصنفین مغازی نے مدینہ میں رہ کر کتابیں لکھیں، دوسرا دور دوسری صدی سے شروع ہوتا ہے، اس میں تصنیف وتالیف کا باقاعدہ رواج ہوا، علٰحدہ علٰحدہ موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں اور پہلے دور کے مقابلہ میں کتابوں میں تنقیح وتہذیب زیادہ ہوئی اور مختلف علوم وفنون کے مصنفین مختلف القاب سے یاد کیے گئے، اسی دور میں محدث، فقیہ، مفسر، مورخ، اخباری، صاحب المغازی، نساب، عالم الاخبار والاحداث وغیرہ کے امتیازی نام کا رواج ہوا، اس دور کے مصنفین مغازی نے مدینہ کے باہر بغداد وغیرہ میں رہ کر کتابیں لکھیں،

**دور اول کے مصنفین اور راویانِ سیر ومغازی**

اس دور میں بعض اکابر صحابہ اور بہت سے اصاغر صحابہ اور ان سے

روایت کرنے والے اکابر تابعین کی بہت بڑی جماعت موجود تھی اور یہ سب کے سب ثقہ، عادل اور مامون راوی تھے، ان میں کسی قسم کا ضعف نہیں تھا، اکابر صحابہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات و سرایا میں شریک رہتے ہیں، جن کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ تمام غزوات و مشاہد میں آپؐ کے ہمرکاب رہے ان میں سے اکثر وصال نبویؐ سے پہلے یا بعد میں دنیا سے گذر گئے، اس لیے ان سے احادیث اور سیر و مغازی کی روایت نہ کی جا سکی، اس وقت تک نہ اس کی ضرورت تھی اور نہ اس کا رواج تھا اور ان میں سے جو حضرات زندہ رہے ان سے بہت کم احادیث اور واقعات مروی ہیں، نیز خلفائے راشدین خاص طور سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ احادیث کی روایت میں شدت اور احتیاط سے کام لیتے تھے اور بحق قرآن احادیث کی اشاعت سے روکتے تھے، اس لیے اکابر صحابہ سے بہت کم روایت کی جا سکی، چنانچہ خلفائے اربعہ، طلحہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاصؓ، عبادہ بن صامت، اسید بن حضیر، معاذ بن جبل اور دیگر اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات کے مقابلہ میں اصاغر صحابہ کی روایات زیادہ ہیں، جیسے جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر بن خطاب، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ ابن عباس، رافع بن خدیج، انس بن مالک، براء بن عازب رضی اللہ عنہم اور دوسرے متاخر الوفاۃ اصاغر صحابہ جو علماء و فقہاء اور اہل فتویٰ میں شمار ہوتے ہیں،

ان کے بعد اصاغر صحابہ میں عقبہ بن عامر جہنی، زید بن خالد جہنی، عمران بن حصین، نعمان بن بشیر، معاویہ بن ابوسفیان، سہل بن سعد ساعدی، عبداللہ بن یزید خطمی، مسلمہ بن مخلد زرقی، ربیعہ بن کعب اسلمی، ہند بن حارثہ اسلمی، اسماء بن حارثہ اسلمی رضی اللہ عنہم وغیرہ احادیث و آثار اور سیر و مغازی کی تدوین کے ابتدائی زمانہ تک زندہ رہے اور ان سے بہت سی



روایات منقول ہیں، ان ہی متقدم الوفاۃ اور متاخر الوفاۃ صحابہ کی روایتوں کو مدون و مرتب کیا گیا، ان میں سے بعض صحابہ نے شدت احتیاط، عبادت و ریاضت، اور جہاد و اسفار کی وجہ سے بہت کم روایت کی اور بہت سے صحابہ اپنے قبیلہ اور بستی سے آکر جہاد میں شریک ہوئے اور ادھر ہی سے واپس چلے گئے اور کچھ صحابہ خدمت نبوی میں حاضری کے بعد اپنے قبیلہ میں چلے گئے۔ ان سب حضرات سے روایت نہیں ہو سکی، یا ہوئی تو بہت کم،

صحابہ کے بعد ان کے تلامذہ یعنی تابعین کا دور رہا جنھوں نے احادیث و آثار اور سیر و مغازی کے واقعات اپنے شیوخ و اساتذہ اور خاندانی بزرگوں سے سن کر بیان کیے، اس طبقہ میں انصار و مہاجرین اور دوسرے صحابہ کی اولاد میں علم زیادہ رہا، ان کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا جنھوں نے صحابہ اور تابعین کے علم کو آگے بڑھایا،

سیرت اور سیر و مغازی کا تمامتر سرمایہ ان ہی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی روایتوں سے جمع کیا گیا ہے[1]،

**کتاب المغازی**

**عروہ بن زبیر اسدی مدنی**

مدینہ منورہ کے تین ہمعصر مصنفین مغازی کے بارے میں یہ معلوم نہیں کس نے سب سے پہلے کتاب لکھی، اتنا معلوم ہے کہ عروہ بن زبیر اور ابان بن عثمان نے سب سے پہلے مغازی پر کتاب لکھی اور ان کے بعد محمد بن شہاب زہری نے لکھی، بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ عروہ بن زبیر کو اس بارے میں اولیت حاصل ہے، ابن کثیر نے واقدی کا قول نقل کیا ہے،

| | |
|---|---|
| کان عالماً مامونا، ثبتاً حجۃ، عالماً | عروہ بن زبیر عالم، مامون، ثبت حجت، سیر کے عالم تھے |
| بالسیر، واول من صنف المغازی[2] | اور انھوں نے سب سے پہلے مغازی تصنیف کی ہے۔ |

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۷۶ تا ۳۸۰، [2] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۰۱،

اور چلپی نے لکھا ہے

| | |
|---|---|
| ویقال اول من صنف فیھا عروۃ | کہا جاتا ہے کہ مغازی میں سب سے پہلے عروہ |
| بن الزبیر[1] | ابن زبیر نے کتاب لکھی ہے، |

ابو عبداللہ، عروہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد اسدی قرشی مدنی متوفی ۹۴ھ رحمۃ اللہ علیہ، کے والد حضرت زبیر بن عوامؓ حواری رسول، عشرہ مبشرہ اور اصحاب شوریٰ میں سے ہیں، ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ ہیں، حضرت عمرؓ کے آخری دور خلافت میں پیدا ہوئے، ان کا گھرانا ابتدائے اسلام سے مجد و شرف، علم و فضل، دین و دیانت اور ریاست و سیادت میں ممتاز و مشہور تھا اور آگے چل کر آل زبیر میں نامی گرامی امراء و حکام، محدثین و فقہاء، مورخین و نسابین، اعیان و اشراف، اجواد و اسخیاء اور اہل فضل و کمال پیدا ہوئے،

عروہ بن زبیر نے بہت سے صحابہ اور صحابیات سے حدیث کی روایت کی اور تفقہ کی تعلیم اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے حاصل کی اور فقہ و فتویٰ میں حضرت زید بن ثابتؓ کے بارہ[2] مخصوص تلامذہ میں سے تھے، جنھوں نے براہ راست ان سے تفقہ و اجتہاد میں اکتساب فیض کر کے اسکی تعلیم دی،[2] ان کا ایک مستقل مدرسہ "کتاب عروہ" کے نام سے مصلی (مسجد غمامہ) کے قریب حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے مکان کے قریب تھا اور اسی کے پاس مسجد بنی زریق بھی تھی،[3] وہ اسی مدرسہ میں تعلیم دیتے تھے،

صاحبزادے ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ والد مجھے، عبداللہ بن عروہ، عثمان، اسمٰعیل اور میرے دوسرے بھائیوں کو بلا کر کہا کرتے تھے کہ تم لوگ طالبوں کے ساتھ میرے سامنے بیٹھ

[1] کشف الظنون ج ۲ ص ۔ [2] کتاب العلل و معرفۃ الرجال، ابن مدینی ص ۴۹ تا ۵۱ [3] وفاء الوفاء ج ۲ ص ۷۹۳



نہ لگاؤ، جب میں تنہا رہوں تو آکر مجھ سے سوالات کرو اور ہم لوگ جاتے تو حدیث بیان کرتے، اور علحدہ علحدہ باب اور عنوان سے طلاق، پھر خلع، پھر حج، پھر ہدی اور اسی طرح دوسرے امور کی تعلیم دیتے تھے، آخر میں ہم سب سے سبق سنتے تھے اور میرے یاد کرنے پر خوش ہوتے تھے، واللہ ہم نے ان سے ان کی احادیث کا ایک حصہ بھی نہیں سنا،[1]

عروہ بن زبیر کی ملکیت میں وادی عقیق میں قصر عروہ اور بیر عروہ کے علاوہ شاندار باغات اور نخلستان تھے، انھوں نے اپنے دور کے فتنوں سے دور رہ کر زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کی، یزید بن معاویہ کے دور میں ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا اور ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے دور میں ان کی شہادت ہوئی، ۶۳ھ میں مدینہ منورہ میں واقعہ حرہ پیش آیا جس میں شامی فوجوں نے بے دریغ کشت و خون اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ اس سے پہلے ۶۱ھ میں حادثہ کربلا پیش آیا مگر ان حوادث و فتن میں ان کا نام تک نظر نہیں آتا ہے،

وہ فقہ و فتویٰ کے امام تھے، اسی کے ساتھ مغازی کے مشہور عالم و مصنف تھے، غزوات و سرایا کے واقعات اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے سنتے تھے، جہاد میں ان کو جو زخم آئے تھے، ان کے گہرے نشان سے بچپن میں کھیلا کرتے تھے ان کے اساتذہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مغازی کے عالم و معلم تھے اور اسکی تعلیم کے لیے باقاعدہ مجلس درس منعقد کیا کرتے تھے،

انھوں نے فقہ و فتویٰ اور حدیث کی تعلیم و روایت کے ساتھ بہت سی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں، جن کو حادثہ حرہ میں خود جلا دیا، یا جلا دیا گیا، صاحبزادے ہشام بن

[1] تاریخ کبیر ج ۴ قسم ۱ ص ۳۲ و جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۰۷

عروہ کا بیان ہے

| | |
|---|---|
| احرق ابی یوم الحرۃ کتب | میرے والد واقعۂ حرہ میں اپنی فقہ کی |
| فقہ کانت لہ قال: فکان | کتابیں جلادیں، اس کے بعد کہا کرتے |
| یقول بعد ذلک: لان تکون | تھے کہ ان کتابوں کا میرے پاس موجود |
| عندی احب الی من ان | ہونا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میرے اہل |
| یکون لی مثل اھلی و مالی[1] | و عیال اور اموال میرے پاس ہوں، |

اور ان ہی سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| انہ احترقت کتبہ یوم الحرۃ، | ان کی کتابیں واقعۂ حرہ میں نذر آتش |
| وکان یقول: وددت لو ان | ہوگئیں، بعد میں کہا کرتے تھے کہ اے |
| عندی کتبی باھلی و مالی[2] | کاش! میرے اہل و مال کے بدلے وہ |
| | کتابیں میرے پاس ہوتیں، |

واقعۂ حرہ کے وقت عروہ بن زبیر کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی، اس مدت میں انھوں نے جو کتابیں لکھیں یا جمع کیں ان میں کتاب المغازی بھی رہی ہوگی جس کی تدوین ۶۳ھ سے پہلے ہو چکی تھی اور اس کی خبر عبدالملک بن مروان کو تھی، اسی لیے اس نے ۶۵ھ میں خلیفہ ہونے کے بعد عروہ بن زبیر سے فتح مکہ اور غزوۂ بدر کے بارے میں تفصیل معلوم کی اور انھوں نے ان دونوں سوالوں کے جواب میں طول طویل تحریر روانہ کی، جیسا کہ تاریخ طبری میں ہے، کتاب المغازی کی ترویج و اشاعت اس زمانہ کے مطابق روایت کے ذریعہ ہوگئی تھی، اور ان کے کئی تلامذہ نے ان سے اس کی روایت کی اور ان کے خویش اور پروردہ ابوالاسود

۱؎ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۷۹ ۲؎ جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۵



محمد بن عبدالرحمٰن جو یتیم عروہ کی نسبت سے مشہور ہیں اس کتاب کے خاص راوی و معلم ہیں، ان کے علاوہ محمد بن شہاب زہری اور سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف نے ان سے مغازی کی روایت کی ہے جو خود مغازی کے مصنف ہیں، ابوالاسود یتیم عروہ کے بارے میں ذہبیؒ نے تصریح کی ہے،

| | |
|---|---|
| نزل ابوالاسود مصر، وحدث | ابوالاسود نے مصر جاکر عروہ بن زبیر کی |
| بھا بکتاب المغازی لعروۃ | کتاب المغازی کی روایت کی جس کی روایت |
| بن الزبیر، عنہ[1] | ان سے کی تھی، |

اس طرح کتاب المغازی ضایع ہو جانے کے باوجود ابوالاسود وغیرہ کی روایت سے عام ہوئی اور علما و محدثین نے اس کو مستند قرار دے کر اس سے اخذ و اقتباس اور استشہاد کیا، حافظ ابن حجر نے فتح الباری، کتاب المغازی میں جا بجا اس کی روایات بیان کی ہیں، مثلاً

وکذلک اخرجہ ابوالاسود فی المغازی عن عروۃ، وکذلک ذکرہ موسیٰ بن عقبۃ عن ابن شہاب، وابوالاسود عن عروۃ، وفی المغازی لابی الاسود عن عروۃ، وفی مغازی ابی الاسود عن عروۃ، وعند ابی الاسود عن عروۃ، وذکر ابوالاسود فی مغازیہ عن عروۃ، وعند ابی الاسود فی المغازی عن عروۃ،[2]

ان اقتباسات میں کتاب المغازی کی نسبت ابوالاسود یتیم عروہ کی طرف ہے جو در حقیقت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی ہے، ابوالاسود نے قدما کے طریقہ پر اس کتاب کی عروہ

۱؎ سیر اعلام النبلاء / بحوالہ مغازی الرسول عروہ بن زبیر ۲؎ فتح الباری، کتاب المغازی ج ۷ ص ۲۴۲، ۵۰۰، و ص ۵۵۳ و ص ۵۰۹ و ۱۰، ۵ ص ۵۱۳ و ص ۳۴۷ و ص ۲۸۰ و ص ۳۲۶ طبع سلفیہ مصر۔

ابن زبیر سے روایت کرکے اس میں اپنے دیگر طرق و اسناد سے روایتیں بیان کیں اور اس کی حیثیت مستقل کتاب کی ہوگئی۔ جیسے امام مالکؒ کی کتاب الموطا کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں اور اپنے اپنے مرتبین کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ ان کے تلامذہ نے ان کی کتاب الموطا میں دوسرے طرق سے بھی حدیثیں جمع کیں،

ابن ندیم نے ابو حسان حسن بن عثمان زیادی متوفی ۲۴۳ھ کی تصانیف میں عروہ ابن زبیر کی کتاب المغازی کا نام لیا ہے

| | |
|---|---|
| ولہ من الکتب، کتاب مغازی | ان کی کتابوں میں عروہ بن زبیر کی |
| عروۃ ابن الزبیر[1] | کتاب المغازی ہے، |

ابو حسان زیادی بغداد کے قاضی اور واقدی کے تلامذۂ کبار میں سے ہیں ان کی تصانیف میں مغازی عروہ بن زبیر کا شمار اسی اعتبار سے ہے کہ انھوں نے بھی اس کتاب میں حک و اضافہ کرکے مستقل کتاب مدون کرلی تھی،

ہمارے دیار کے معاصر عالم ڈاکٹر محمد مصطفےٰ اعظمی نے ۱۴۰۱ھ میں "مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعروۃ الزبیر، بروایۃ ابی الاسود یتیم عروۃ" کے نام سے ایک کتاب احادیث و تواریخ اور سیر و مغازی کی کتابوں سے مرتب کرکے شایع کی ہے، جس میں عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کا معتد بہ حصہ آگیا ہے۔

**کتاب المغازی ابان بن عثمان اموی مدنیؒ**

مدینہ منورہ کے علمائے سیر و مغازی میں ابو سعید ابان بن عثمان ابن عفان اموی قرشی مدنی متوفی ۱۰۵ھ رحمۃ اللہ علیہ ابتدائی

---

[1] الفہرست ص ۱۷۰، مصری نسخہ میں کتابت یا طباعت کی غلطی کی وجہ سے "معانی عروۃ بن الزبیر" ہے، مطبوعہ یورپ میں "مغازی عروۃ بن الزبیر" ہے اور یہی صحیح ہے،



مصنف ہیں، یہ معلوم نہیں کہ عروہ بن زبیر اور ابان بن عثمان میں کس نے پہلے کتاب المغازی لکھی، ایک اندازہ کے مطابق ان کی پیدائش سنہ ۲۰ھ کے حدود میں ہوئی، مدینہ کے اہل فقہ و فتویٰ میں ان کا بھی شمار تھا، حضرت زید بن ثابتؓ ان کے شیخ الکل فی الکل تھے اور یہ ان ہی کے فقہی و اجتہادی مسلک کے ترجمان تھے، حضرت زید بن ثابتؓ کے بارہ مخصوص تلامذہ جو ان کے فقہی مسلک کے ترجمان و ناشر ہیں ان میں ابان بن عثمان بھی ہیں،[1] نیز انھوں نے اپنے والد عثمان بن عفانؓ اور اسامہ بن زید بن حارثہؓ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے، ان کے تلامذہ کی تعداد زیادہ ہے، ان میں محمد بن شہاب زہری اور مغیرہ بن عبدالرحمٰن زیادہ مشہور ہیں، زہری کتاب المغازی کے مصنف اور مغیرہ ان کی کتاب المغازی کے راوی و ناشر ہیں،

ابان بن عثمان نے سنہ ۸۲ھ سے پہلے کتاب المغازی لکھی تھی، مگر ایک خاص واقعہ کی وجہ سے اس کی روایت و اشاعت بہت محدود طریقہ پر ہوئی۔

اس کی تفصیل زبیر بن بکار متوفی ۲۵۶ھ نے کتاب "الموفقیات فی الاخبار" میں یوں بیان کی ہے کہ سنہ ۸۲ھ میں سلیمان بن عبدالملک بن مروان حج و زیارت کے سلسلہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا، یہ اس کی ولی عہدی کا زمانہ تھا، مدینہ کے اعیان و اشراف سلام و استقبال کے لیے نکلے، سلیمان بن عبدالملک نے ابان بن عثمان، ان کے بھائی عمرو بن عثمان اور ابوبکر بن عبداللہ بن ابو احمد کے ساتھ مدینہ منورہ کے متبرک مقامات و مشاہد کی زیارت کی، جن جگہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی یا صحابہ شہید ہوئے تھے سب کو دیکھا، اسی سلسلہ میں جبل احد، مسجد فضیخ، مشربہ ام ابراہیم کی

---

[1] کتاب العلل و معرفۃ الرجال، ابن مدینی ص ۹۴ تا ۵۱،

زیارت کرتا ہوا قبا تک گیا، ہر مقام و مشہد کے بارے میں مذکورۂ بالا اہل علم سے معلومات حاصل کرتا رہا اور یہ حضرات اس کو تفصیلات بتلاتے رہے، قبا پہنچ کر اس نے ابان بن عثمان سے کہا کہ آپ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مغازی کتابی شکل میں مرتب کر دیں، ابان بن عثمان نے کہا کہ میں پہلے ہی ان کو اپنے مرتق و معتبر راویوں کے ذریعہ صحیح طور سے جمع کر چکا ہوں، اس کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے اس کتاب کو نقل کرنے کا حکم دیا، بلکہ دس کاتبوں کو مقرر کر کے کتاب ان کے حوالہ کر دی اور انھوں نے اس کو چمڑے کے ورق میں نقل کیا، زبیر بن بکّار کا بیان ہے

| | |
|---|---|
| ثم امر ابان بن عثمان ان | پھر سلیمان بن عبد الملک نے ابان بن |
| یکتب له سیرة النبی صلی الله | عثمان کو حکم دیا کہ وہ اسکے لیے رسول اللہ |
| علیه وسلم ومغازیه، فقال | صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مغازی لکھیں |
| ابان: قد اخذ تها مصحّحة | ابان نے کہا کہ میں نے معتبر راویوں سے انکو |
| ممن اثق به، فامر بنسخها | صحیح طور سے لکھ لیا ہے تو سلیمان نے ان کے |
| والقی فیها (الی) عشرة من | لکھنے کا حکم دیا اور ان کو دس کاتبوں کے |
| الکتاب فکتبوها فی رق، | حوالہ کیا، جنھوں نے ان کو کھال پر لکھا، |

جب کتاب سلیمان بن عبد الملک کے ہاتھ میں پہونچی اور اس نے اس میں عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانیہ اور غزوۂ بدر میں انصار کا تذکرہ دیکھا تو کہنے لگا کہ میں ان لوگوں کو ان فضائل کا مستحق نہیں سمجھتا ہوں، ان کے بارے میں میرے خاندان نے چشم پوشی اور بے اعتنائی سے کام لیا ہے، یا یہ لوگ ایسے نہیں تھے اور ان کے بارے میں غلط فہمی ہے، یہ سن کر ابان بن عثمان نے کہا کہ امیر! انصار نے شہید مظلوم (حضرت عثمانؓ) کے ساتھ



جو کچھ کیا اور ان کی مدد نہیں کی اس کی وجہ سے ہم حق بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتے ہیں، وہ لوگ ان ہی اوصاف کے مستحق ہیں جن کا ہم نے کتاب میں تذکرہ کیا ہے،

| | |
|---|---|
| فقال ابان بن عثمان: ایها | ابان بن عثمان نے کہا کہ اے امیر! انھوں |
| الامیر لا یمنعنا ما صنعوا | نے شہید مظلوم (حضرت عثمانؓ) کے ساتھ جو |
| بالشهید المظلوم من | بے وفائی کی وہ ہم کو حق بات کہنے سے نہیں |
| خذلانه، ان نقول بالحق | روک سکتی ہے، وہ حضرات ان ہی اوصاف |
| هم علی ما وصفنا لك فی | کے مستحق ہیں جن کو ہم نے اپنی اس کتاب میں |
| کتابنا هذا | آپ کے لیے لکھا ہے، |

یہ جواب سن کر سلیمان بن عبد الملک نے کہا کہ مجھے اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں پہلے اس کے بارے میں امیر المومنین سے بات کروں، شاید وہ اس کی مخالفت کریں، یہ کہکر کتاب کو پھاڑ دینے کا حکم دیا اور کہا کہ یہاں سے جاکر امیر المومنین سے بات کروں گا، اگر انھوں نے رضامندی ظاہر کی تو اس کا لکھنا آسان ہے،

اس کے بعد سلیمان نے دمشق پہنچکر اپنے والد عبد الملک سے کتاب کے بارے میں ابان ابن عثمان کی گفتگو نقل کی، عبد الملک نے کہا کہ ہم ایسی کتاب یہاں کیوں لائیں جس میں ہمارے لیے کوئی منقبت و فضیلت نہیں ہے، ہم اہل شام کو ایسی باتیں بتانا نہیں چاہتے ہیں، سلیمان نے باپ کی یہ باتیں سن کر کہا کہ اسی لیے میں نے جو نسخہ نقل کرایا تھا اس کو پھاڑ دینے کا حکم دیدیا تھا، آپ کی رائے مقدم ہے[1]

---

[1] کتاب الموفقیات، ص ۲۲۲ و ص ۱۲۳، بحوالہ مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعروة بن الزبیر بروایۃ ابی الاسود ص ۲۰،

ابان بن عثمان نے اس موقع پر جس حق نوازی اور صدق گوئی کا مظاہرہ کیا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دور کے علماء و مشائخ امراء و خلفاء کے دباؤ میں نہیں آتے تھے، اور دوسروں کی خوشی اور ناخوشی سے یکسو ہو کر اپنی ذمہ داری پوری کرتے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابان بن عثمان اموی ہونے کے باوجود اموی حکمرانوں سے خوش نہیں تھے اور موقع بہ موقع ان پر سخت نکیر کرتے تھے، ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان کے والی مکہ علقمہ بن صفوان بن محرث نے منبر پر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما پر سب و شتم کیا اور منبر سے اتر کر ابان بن عثمان سے کہا کہ امیر المومنین عثمانؓ کے بارے میں مداہنت کرنے والوں کو میں نے برا بھلا کہکر آپ کو خوش کر دیا۔ یہ جملہ سن کر ابان بن عثمان نے کہا کہ واللہ یہ بات نہیں ہے بلکہ تم نے مجھے تکلیف دی ہے، میری مصیبت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ تم بھی ان کے خون میں شریک ہو[1]،

سنہ ۹۱ھ میں ولید بن عبدالملک نے والی مدینہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ مسجد نبویؐ کی دوبارہ تعمیر کرکے اس میں اضافہ کریں اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعمیر ختم کرکے نہایت خوبصورت عمارت بنوائی، تین سال میں تعمیر مکمل ہوئی تو ولید بن عبدالملک مدینہ آیا، مسجد نبوی سجائی گئی، لوگ تہنیت کے لیے آئے، ابان بن عثمان بھی پالکی پر آئے، اس وقت وہ مفلوج ہو چکے تھے، ولید کے سامنے اترے، اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا کہ آپ کی تعمیر کو ہماری تعمیر سے کیا نسبت ہے؟ ابان بن عثمان نے جواب دیا کہ امیر المومنین! ہماری تعمیر بہتر تھی، ولید نے پوچھا وہ کیسے؟ ابان نے کہا کہ

لانا بنیناہ بنیان المساجد — اس لیے کہ ہم نے اس کو مسجدوں کے طرز تعمیر

[1] انساب الاشراف، بلاذری ج ۵ ص ۱۲۰،



وبنیتموہ بنیان الکنائس، — پر بنایا تھا اور آپ لوگوں نے اس کو کلیساؤں کے طرز تعمیر پر بنایا ہے،

اس کے بعد نوکروں سے کہا کہ پالکی اٹھاؤ اور چل دیئے ولید دور تک ان کو دیکھتا رہا، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے ولید کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے کہا کہ یہ عثمانؓ بن عفان کے بیٹے ہیں[1]، ابان ابن عثمان سنہ ۷۶ھ سے سنہ ۸۳ھ تک مدینہ منورہ کے امیر رہے، اسی زمانہ میں امارت حج بھی ان ہی کے ذمہ رہی،

چونکہ انھوں نے اپنی کتاب المغازی میں قبائلی عصبیت اور سیاسی مصلحت سے بالاتر ہوکر واقعات وحقائق بیان کیے اموی حکمرانوں کو یہ بات ناگوار گذری، اس لیے اس کی روایت عام طور سے نہیں ہوسکی، ان کے تلامذہ میں صرف مغیرہ بن عبدالرحمن مخزومی نے ان کے نام سے اس کی روایت کی اور اپنے تلامذہ اور اولاد کو اس کی تعلیم وتعلم کی ترغیب دی، ان کے صاحبزادے یحیٰی بن مغیرہ کا بیان ہے کہ میرے والد کے پاس کوئی لکھا ہوا صحیفہ اور مکتوب نہیں تھا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغازی کے وہ کتابی شکل میں تھی جس کو ابان بن عثمان سے حاصل کیا تھا اور یہ مغازی بسا اوقات ان سے پڑھی جاتی تھیں اور انھوں نے ہم کو ان کے پڑھنے کا حکم دیا تھا، ابن سعد نے تقریباً ان ہی الفاظ میں واقدی کا بیان یوں نقل کیا ہے۔

وکان قلیل الحدیث، الامغازی — مغیرہ بن عبدالرحمن قلیل الحدیث تھے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی
اخذھا من ابان بن عثمان — ان کے پاس تھے، جن کو ابان بن عثمان سے
وکان کثیراً ما تقرء علیہ — حاصل کیا تھا اور یہ بہت زیادہ ان سے

[1] کتاب المناسک، حربی ص ۳۷۰، ریاض،

ويامرنا بتعليمها[۱] پڑھے جاتے تھے اور ہم کو انکی تعلیم کا حکم دیتے تھے،

ان کے شاگردوں میں محمد بن اسحاق بھی ہیں، انھوں نے صرف غزوۂ بئرِ معونہ کے ذکر میں ابان بن عثمان سے ایک طویل روایت نقل کی ہے[۲]،

ابان بن عثمان کے ایک اور شاگرد یعقوب بن عتبہ بن اخنس ثقفی مدنی کثیر الحدیث اور ثقہ محدث ہیں، یہ سیر و مغازی کے بھی عالم تھے، اموی امراء و عمال ان سے مدد لیتے تھے اور زکوٰۃ و صدقات کی وصولی پر مقرر کرتے تھے، ابن اسحاق نے یعقوب بن عتبہ سے دس گیارہ روایات نقل کی ہیں، ان میں سے تین روایات یوں ہیں۔

قال ابن اسحاق: وحدثنی یعقوب — مجھ سے یعقوب بن عتبہ بن اخنس نے بیان کیا

ابن عتبة بن الاخنس انه حدث الخ[۳] — کہ ان سے بیان کیا گیا ہے کہ الخ

شاید حُدِّثَ (ان سے بیان کیا گیا) والی روایات ابان بن عثمان کی ہوں، تاریخ طبری اور دوسری کتابوں میں یعقوب بن عتبہ کی بہت سی روایتیں ہیں، مگر ان میں ابان بن عثمان کا نام نہیں ہے، ظاہر ہے کہ دوسرے تلامذہ کی طرح انھوں نے بھی ابان سے کتاب المغازی کی روایت کی ہو گی،

اس کے باوجود ابان بن عثمان کی کتاب کسی نہ کسی طرح اہل علم میں متداول رہی، نویں صدی کے مشہور عالم مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس متوفی ۸۱۷ھ نے "المغانم المطابۃ فی معالم طابہ" میں ان کا ایک بیان صاحب المغازی کی نسبت کے ساتھ یوں نقل کیا ہے۔

وقال ابان بن عثمان صاحب المغازی ذو قرد ماء لطلحة — ابان بن عثمان صاحب المغازی نے کہا کہ ذو قرد طلحہ بن عبید اللہ

ابن عبید الله، اشتراه فتصدق به علی مارة الطریق[۴] — کا چشمہ تھا، جس کو انھوں نے خرید کر راہگیروں پر وقف کر دیا تھا،

ابان بن عثمان ایک شیعی مصنف ہے، اس نے کتاب المبدأ والمبعث والمغازی لکھی ہے، ابان بن عثمان بن عفان کی کتاب المغازی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۰ [۲] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۴ [۳] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۴۳ و ص ۲۰۶ و ص ۲۶۶، [۴] المغانم المطابۃ فی معالم طابہ، قسم المواضع ص ۲۳۷، ریاض،

معارف
ق

# مقالات

## مدینہ میں تدوین سیر و مغازی

### (پہلی صدی کے نصف آخر میں)

از
مولانا قاضی اطہر مبارکپوری سابق ایڈیٹر البلاغ، بمبئی

(۲)

کتاب المغازی
محمد بن شہاب زہری مدنیؒ

دور اول کے تیسرے مصنف مغازی ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری مدنی متوفی سنہ ۱۲۴ھ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو علمائے تابعین میں دینی و علمی جامعیت میں بے مثال اور سیر و مغازی کے مصنف و امام تھے اور اس فن کو دنیا اور آخرت کا علم قرار دیتے تھے، ان کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم کا بیان ہے۔

| | |
|---|---|
| سمعت عمی الزہری یقول: | میں نے اپنے چچا زہری کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ |
| علم المغازی علم الآخرۃ | علم المغازی آخرت اور دنیا میں کام آنے |
| والدنیا[۱] | والا علم ہے، |

امام زہری مغازی کے درس میں اپنے تلمیذ محمد بن اسحاق کی روایتوں کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کرتے تھے، عمر بن عثمان کا بیان ہے کہ زہری ابن اسحاق کی ان روایتوں کو فوراً قبول کر لیتے تھے جن کو انھوں نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے، ایک مرتبہ ابن شہاب زہری سے ابن اسحاق

---

۱؎ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۴۱۔

کی کتاب المغازی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ

| | |
|---|---|
| ھذا اعلم الناس بھا[1] | یہ شخص مغازی کا سب سے بڑا عالم ہے |

صحیح بخاری کتاب المغازی کی ایک روایت میں انھوں نے اپنی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے غزوۂ بدر کے سلسلہ میں امام بخاری نے روایت کی ہے،

| | |
|---|---|
| عن موسیٰ بن عقبہ، عن ابن | موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے کہ ابن شہاب |
| شہاب قال: ھذہ مغازی | نے یہ کہہ کر کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم |
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | کے مغازی ہیں حدیث بیان کی، |
| فذکر الحدیث،[2] | |

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ھذہ کا مشارٌ الیہ زہری کی کتاب المغازی کو بتایا ہے جس کی روایت موسیٰ بن عقبہ نے ان سے کی ہے[3] غالباً زہری نے پہلی صدی کے خاتمہ پر یہ کتاب لکھی جب کہ عمر بن عبد العزیز کے حکم سے احادیث کی تدوین ہوئی، امام مالکؒ کا قول ہے کہ سب سے پہلے زہری نے حدیث کو مدون کیا[4] نیز انھوں نے لکھا ہے کہ زہری نے پہلی صدی کے خاتمہ پر عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے حدیث مدون کی، اس کے بعد تدوین و تصنیف کی کثرت ہوئی[5]

خود زہری کا بیان ہے کہ

| | |
|---|---|
| کنا نکرہ کتاب العلم | ہم حدیث کی کتابت ناپسند کرتے تھے، یہاں تک |
| حتیٰ اکرھنا علیہ ھؤلاء | کہ اس کے لکھنے پر ان امراء نے ہم پر زور |
| الامراء فرأینا الا نمنعہ | ڈالا، اس کے بعد ہم نے بہتر سمجھا کہ اس سے |

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۰ و ۴۴۱ [2] بخاری ج ۳ ص ۱۰ بحاشیہ سندی مصر [3] فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۶

[4] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۶ [5] فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۸،



| | |
|---|---|
| احداً من المسلمین[1] | کسی مسلمان کو نہ روکیں، |

دوسری روایت میں ہے کہ مجھ سے سلاطین نے حدیث لکھنے کو کہا اور میں نے لکھا، اب مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ دوسروں کے لیے نہ لکھوں،

ابن شہاب زہری مدینہ منورہ سے ملک شام چلے گئے تھے جہاں اموی خلفاء و امراء نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان کے علوم و فنون کو مدون کرایا، عبد الملک بن مروان نے ان کو اپنا مقرب اور ندیم بنایا، ان کا قرضہ ادا کرکے انعام و اکرام سے نوازا، ہشام بن عبد الملک نے ان کو اپنی اولاد کا معلم و مربی بنا کر سات ہزار دینار قرضہ ادا کیا، یزید بن عبد الملک نے ان کو عہدۂ قضاء پر فائز کیا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے زہری کو عالم اسلام کا سب سے بڑا عالم قرار دیا، ان سے کتابیں لکھوائیں اور دو کاتب مقرر کیے گئے جنھوں نے دو سال تک انکے علوم کو کتابی شکل میں جمع کیا[2] زہری کے شاگرد معمر بن راشد کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے تھے کہ ہم نے زہری سے بہت زیادہ علم حاصل کیا ہے، مگر جب ولید بن یزید قتل ہوا تو اس کے خزانہ سے زہری کی کتابیں چوپایوں پر لاد کر باہر لائی گئیں،[3] امام مالک کا یہ قول کہ زہری کے پاس ان کی قوم کے نسب کے بیان میں ایک کتاب کے سوا اور کوئی کتاب نہیں تھی، ان کے علوم کی تدوین سے پہلے کا ہے، اموی خلفاء و امراء سے امام زہری کے خوشگوار تعلقات علم و تحقیق میں حائل نہیں تھے اور وہ ان کی مرضی و منشا کے علی الرغم صحیح بات کہتے تھے، معمر بن راشد کا بیان ہے کہ میں نے زہری سے دریافت کیا کہ صلح حدیبیہ میں معاہدہ کس نے لکھا تھا؟ اس پر پہلے تو وہ ہنسے پھر کہنے لگے کہ یہ معاہدہ علی بن ابو طالب نے لکھا تھا اور اگر تم اس کے بارے میں ان لوگوں یعنی بنو امیہ سے سوال کروگے

[1] مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۲۵۹ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۸۹، جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۷،

[2] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۷ [3] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۸۹،

تو وہ عثمان بن عفانؓ کا نام لیں گے[1]

فن مغازی میں زہری کی جامعیت کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا، امام مالکؒ کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ زہری کی درسگاہ سے اٹھنے کے بعد ان سے کوئی سوال کیا اس پر انھوں نے کہا کہ میں نے کسی استاد سے دوبارہ سوال نہیں کیا، یہ سن کر عبدالرحمٰن بن مہدی تعجب سے کہنے لگے کہ وہ مغازی کی اتنی طویل طویل روایات کیسے یاد کر لیتے ہیں[2]،

ان کے بہت سے تلامذہ و اصحاب نے کتاب المغازی کی روایت کی ہے، جن میں موسیٰ بن عقبہ ممتاز ہیں، یحییٰ بن معین کا قول ہے۔

| | |
|---|---|
| کتاب موسیٰ بن عقبة | زہری کی روایت سے موسیٰ بن عقبہ کی |
| عن الزهری من اصح | کتاب المغازی اس فن کی سب سے زیادہ |
| الکتب[3] | صحیح کتاب ہے، |

امام بخاریؒ نے مغازی کے ذکر میں چالیس[4] سے زائد روایات ابن شہاب زہری کی درج کی ہیں، جن میں اکثر موسیٰ بن عقبہ عن الزہری کی سند سے ہیں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ مغازی موسیٰ بن عقبہ امام زہری کی روایات کا مجموعہ ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں وهذا ملخص ماذكره موسىٰ بن عقبة فى سياق القصة ایک مقام پر ہے وكذا اخرج هذه القصة موسىٰ بن عقبة عن ابن شهاب، ایک جگہ ہے وكذالك ذكره موسىٰ بن عقبة عن ابن شهاب، ایک اور جگہ ہے وذكره موسىٰ بن عقبة فى المغازى عن ابن شهاب، ایک موقع پر ہے ولكن جزم موسىٰ بن عقبة فى المغازى عن الزهرى[5]

---

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۳۴۳ [2] الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۲، قسم ۱ [3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۶۱
[5] فتح الباری، کتاب المغازی ج ۷ کے مختلف صفحات:



زہری کے دوسرے شاگرد جن سے ان کی کتاب المغازی کی روایت کا سلسلہ چلا معمر ابن راشد بصری صنعانیؒ ہیں، بصرہ انکا وطن ہے، مگر یمن کے شہر صنعاء میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، ان کی کتاب المغازی درحقیقت زہری کی کتاب المغازی کا نسخہ ہے، جس میں دوسرے شیوخ کی بھی روایتیں ہیں،

زہری کے تلمیذ رشید محمد بن اسحاق ان سے مغازی کی روایت کرنے میں سب سے آگے ہیں، ان کے علاوہ زہری کے دیگر تلامذہ نے ان کی کتاب المغازی کی روایت کی ہے، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی نے معمر بن راشد سے مغازی کی روایت کر کے اس میں اپنے دوسرے شیوخ کی روایات کو شامل کیا ہے، اس کا بیشتر حصہ محمد بن شہاب زہری کی کتاب المغازی کو شامل ہے جس کی روایت معمر بن راشد نے زہری سے کی تھی، مطبوعہ مصنف عبدالرزاق کی پانچویں جلد کے صفحہ ۳۱۳ سے صفحہ ۴۹۲ تک کتاب المغازی ہے جس کی زیادہ تر روایات عبد الرزاق، عن معمر، عن الزهرى کی سند سے ہیں اور کتاب المصنف کی اشاعت کے بعد زہری کی کتاب المغازی کا بیشتر حصہ ہمارے سامنے آگیا ہے، شام کے ایک عالم ڈاکٹر سہیل زکار نے سنہ ۱۴۰۱ھ میں مصنف عبدالرزاق سے یہ حصہ کتاب المغازی تصنیف محمد بن شہاب زہری کے عنوان سے شایع کیا ہے حالانکہ یہ عبدالرزاق صنعانی کی کتاب المغازی ہے جس میں معمر بن راشد کے واسطہ سے زہری کی بیشتر روایات درج ہیں[1]

اس دور کے دوسرے مصنفین مغازی

اس دور کے مذکورۂ بالا تین مصنفین مغازی کے کئی اصحاب و تلامیذ نے اپنے اساتذہ کے انداز میں سیر و مغازی پر کتابیں تصنیف کیں جن میں دیگر اساتذہ کی روایتیں بھی تھیں ان کا زمانہ تدوین سیر و مغازی کے دوسرے دور سے پہلے اور اپنے شیوخ

---

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۳۴۳،

سے قریب تر ہے، اس لیے ان کا تذکرہ بھی دورِ اول میں کیا جاتا ہے،

**کتاب المغازی**
**عبداللہ بن ابوبکر بن حزم انصاری مدنیؒ**

ابو محمد عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری مدنی متوفی سنہ ۱۳۰ھ رحمۃ اللہ علیہ بھی مغازی کے ابتدائی مصنفین میں ہیں، ان کے جدِ اعلیٰ حضرت عمرو بن حزمؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کا امیر بنا کر ان کے نام ایک مفصل مکتوب روانہ فرمایا تھا، ان کا خاندان حدیث و فقہ اور سیر و مغازی میں ممتاز مقام رکھتا ہے، ان کے شیوخ میں عروہ بن زبیر اور محمد بن شہاب زہری اور تلامذہ میں محمد بن اسحاق تینوں حضرات مغازی کے مصنف ہیں، نہایت ثقہ، صادق، مامون، حجت، فقیہ و محدث اور سیر و مغازی کے عالم و مصنف ہیں،

ان کے بھتیجے عبدالملک بن محمد بن ابوبکر نے ان سے کتاب المغازی کی روایت کی ہے، سریج بن نعمان جوہری کے بیان سے اس کا پتہ چلتا ہے، وہ کہتے ہیں،

| | |
|---|---|
| عبدالملک بن محمد بن ابی | عبدالملک بن محمد بن ابوبکر مدنی انصاری |
| بکر بن محمد بن عمرو بن | نے ہمارے یہاں بغداد آکر قیام کیا اور |
| حزم المدنی الانصاری | ہم نے ان سے مغازی کی روایت کی |
| من بنی النجار قدم علینا | جس کو وہ اپنے چچا عبداللہ بن ابوبکر |
| بغداد، فاقام بہا، وکتبنا | سے روایت کرتے تھے، |
| عنہ المغازی عن عمہ عبداللہ | |
| بن ابی بکر[1] | |

عبداللہ بن ابوبکر کا انتقال ستر سال کی عمر میں سنہ ۱۳۵ھ میں ہوا، ان کے کوئی

[1] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۰۹،



اولاد نہیں تھی،[1]

**کتاب المغازی**
**ابوالاسود یتیم عروہ مدنیؒ**

ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل اسدی مدنی متوفی سنہ ۱۳۷ھ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المغازی درحقیقت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کا ایک نسخہ ہے، جس میں یتیم عروہ نے دوسرے شیوخ کی روایتیں شامل کرلی ہیں، ان کے والد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ شہید ہوگئے تھے، انھوں نے اپنے بچے کو عروہ بن زبیرؓ کی کفالت میں دینے کی وصیت کی تھی اور انھوں نے ان کو اپنی تعلیم و تربیت میں یوں رکھا کہ وہ یتیم عروہ کی نسبت سے مشہور ہوگئے، دونوں کا شجرۂ نسب اوپر جاکر خویلد بن اسد سے مل جاتا ہے، نہایت کثیر الحدیث اور ثقہ عالم ہیں،

انھوں نے عروہ بن زبیر کے علاوہ علی بن حسین زین العابدین، سلیمان بن یسار، عامر بن عبداللہ بن زبیر، سالم مولیٰ شداد، سالم بن عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن الاعرج، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، نعمان بن ابو عیاش اور یحییٰ بن نضر وغیرہ سے روایت کی تھی،[2] ابن شاہین نے تاریخ اسماء الثقات میں ان کی کتاب المغازی کی تصریح کی ہے،

| | |
|---|---|
| ولہ کتاب المغازی[3] | اور ان کی کتاب المغازی ہے۔ |

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب المغازی میں بار بار مغازی ابی الاسود کا ذکر کیا ہے جیسا کہ عروہ بن زبیر کے تذکرہ میں گذر چکا ہے،

ابن ابو حاتم نے لکھا ہے کہ ابوالاسود بنو امیہ کے آخری دور میں مصر چلے گئے تھے،

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۲ ص ۶۲۸ و تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۶۵ و العبر ج ۱ ص ۱۸۲

[2] جمہرۃ انساب العرب ص ۱۲۱ و تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۷ و تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۱ ص ۱۴۵

[3] تاریخ اسماء الثقات، ابن شاہین ص ۱۵۲ (بمبئی)

ابن حجر کی تصریح کے مطابق وہ ۱۳۶ھ میں مصر گئے[1]، ابن شاہین نے لکھا ہے کہ اہل مدینہ کے پاس ان کی دس حدیثیں بھی نہیں ہیں، بلکہ ان کی حدیثیں مصر میں ہیں[2]، مطلب یہ ہے کہ مصر میں ان کے علم کی عام روایت و اشاعت ہوئی، چنانچہ مصر ہی میں انھوں نے عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کی روایت کی، ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس کی تصریح یوں کی ہے،

| | |
|---|---|
| نزل ابو الاسود مصر وحدث | ابوالاسود نے مصر جا کر عروہ بن زبیر |
| بھا بکتاب المغازی لعروۃ | کی کتاب المغازی کا ان (کی) روایت سے |
| بن الزبیر عنہ | درس دیا، |

ان کے مصری تلامذہ میں لیث بن سعد، ابوشریح عبدالرحمٰن بن شریح اسکندرانی، عبداللہ بن لہیعہ، مشہور ہیں، خلیفہ بن خیاط نے ان کی وفات ۱۳۰ھ میں بیان کی ہے مگر ۱۳۷ھ میں وفات کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے،

**کتاب الغزوہ جعفر بن محمود انصاری مدنی** — اسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں غزوات کے موضوع پر ایک اور کتاب کا ذکر ملتا ہے جس کو جعفر بن محمود بن عبداللہ بن محمد بن مسلمہ حارثی انصاری مدنی متوفی سنہ ؟ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا، وہ علمائے تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں سے ہیں، حضرت اسید بن حضیرؓ سے مرسل روایت کی ہے، نیز حضرت جابر بن عبداللہؓ اور اپنی دادی تویلہ بنت اسلم صحابیہؓ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے لڑکے ابراہیم بن جعفر، بھتیجے سلیمان بن محمد بن محمود، موسیٰ بن عمیر انصاری نے روایت کی[3]،

جعفر بن محمود حدیث و فقہ اور سیر و مغازی کے عالم تھے، انھوں نے کتاب الغزوۃ

[1] الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۳۲۱ ق ۱ و تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۷، [2] تاریخ اسماء الثقات ص ۱۵۲



لکھی تھی جو اہل علم کے نزدیک نہایت مستند تھی اور وہ اپنے شاگردوں کو اس کی روایت کی ترغیب دیتے تھے، یحییٰ بن معین کا بیان ہے

| | |
|---|---|
| کان صالح بن کیسان امر | صالح بن کیسان نے جعفر بن محمود کی روایت |
| بکتاب الغزوۃ عنہ[1] | سے کتاب الغزوہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ |

صالح بن کیسان متوفی ۱۴۰ھ امام زہری کے خصوصی تلامذہ میں ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی زیارت کا شرف رکھتے تھے، عمر بن عبدالعزیزؒ کی اولاد کے مودب و معلم تھے، ان کے حکم و امر سے اندازہ ہوتا ہے کہ جعفر بن محمود انصاری کی کتاب الغزوہ اپنے موضوع پر اہم اور مستند کتاب تھی اور ان کی روایت سے اہل علم اس کتاب کو پڑھتے تھے،

**اس دور کے علمائے سیر و مغازی** — اس دور میں مدینہ منورہ میں ان مصنفین مغازی کے علاوہ ان کے معاصرین اور اساتذہ و تلامذہ میں نامی گرامی علمائے سیر و مغازی موجود تھے جن کی ذات اس علم میں مرجع تھی، وہ اس کا مستقل درس دیتے تھے اور ان سے اس کی روایت کی جاتی تھی، اگرچہ ان کی مستقل تصنیف کا پتہ نہیں چلتا ہے مگر ان کے ذاتی صحیفوں اور نسخوں میں غیر مدون طریقہ پر اس کی روایات ہوتی تھیں، ان علماء کے درس و روایت سے عوام و خواص میں علم مغازی کا ذوق عام ہوا اور اس کی اشاعت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی، ایسے علمائے سیر و مغازی میں یہ حضرات خاص مقام اور شہرت کے مالک ہیں،

**محمد بن سعد بن ابی وقاص قرشی زہری مدنیؒ** — ابوالقاسم محمد بن سعد بن ابی وقاص قرشی مدنی متوفی ۸۲ھ رحمۃ اللہ علیہ قلیل الحدیث مگر نہایت ثقہ تابعی ہیں، بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیر القامت تھے[2]، ابن اشعث کے ساتھ دیر جماجم کی جنگ میں شریک تھے، ۸۲ھ میں حجاج ابن یوسف نے ان کو قتل کرا دیا[3]،

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۶، [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۲۴، [3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۳،

ان کے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی اولاد سے جہاد و غزوات کے واقعات بیان کرکے ان کو شجاعت اور صبر و استقامت کی دعائیں کراتے تھے[1]، اپنے والد کی طرح محمد بن سعد نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا اور وہ بھی اپنی اولاد کو سرایا و مغازی کی تعلیم دیتے تھے اور اس کو آبائی مجد و شرف بتا کر یاد رکھنے کی تاکید کرتے تھے، ان کے صاحبزادے اسمٰعیل بن محمد متوفی ۱۳۴ھ کا بیان ہے،

| | |
|---|---|
| کان أبي یعلمنا المغازی والسرایا، | والد ہم لوگوں کو مغازی اور سرایا کی تعلیم |
| ویقول: یا بنی إنها شرف | دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اے بیٹو! یہ |
| أبائکم فلا تضیعوا ذکرها[2] | تمہارے آبائی مجد و شرف ہیں تم ان کی یاد |
| | کو ضایع نہ کرنا۔ |

محمد بن سعد کے بھائیوں میں عامر بن سعد اور ابراہیم بن سعد کثیر الحدیث اور ثقہ عالم تھے[3]، یہ حضرات اپنی مجلس درس میں اپنے والد کی وصیت کے مطابق احادیث کی طرح مغازی و سرایا کو بھی بیان کرتے تھے،

**علی بن حسین زین العابدین ہاشمی مدنیؒ** خاندان نبوت کے چشم و چراغ زین العابدین علی بن حسین بن علی ابن ابو طالب متوفی ۹۴ھ رحمۃ اللہ علیہ ۳۳ھ یا ۳۸ھ میں پیدا ہوئے بقول ابن قتیبہ ان کی والدہ کا نام سلافہ یا غزالہ تھا جو سندھی باندی تھیں، ایک روایت میں ہے کہ وہ شاہ ایران یزدجرد کی دختر تھیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کا سلسلہ ان ہی سے چلا ہے، ۶۱ھ میں واقعۂ کربلا کے وقت ان کی عمر تیئیس ۲۳ سال کی تھی، بیماری کی وجہ سے

[1] بخاری ج ۲ ص ۳۹۳ بحاشیہ سندی [2] السیرۃ النبویہ، احمد زینی دحلان برحاشیہ سیر حلبیہ ج ۱ ص ۲ [3] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۷۰،



زندہ سلامت رہ گئے،[1]

آپ نے متعدد صحابہ و تابعین سے روایت کی ہے اور ان سے روایت کرنے والوں میں محمد ابن شہاب زہری، اور ابو الاسود یتیم عروہ مغازی کے مصنف ہیں اور عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری بھی ہیں جن کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جامع دمشق میں مغازی اور مناقب صحابہ بیان کرنے پر مامور کیا تھا،

حضرت زین العابدین لوگوں کو مغازی کا درس بڑے اہتمام سے دیتے تھے اور قرآن کی سورتوں کی طرح ان کے واقعات زبانی یاد کراتے تھے، ابن کثیرؒ نے لکھا ہے

| | |
|---|---|
| روی الواقدی، عن عبد اللہ | ..... عمر بن علی سے روایت ہے کہ میں نے |
| بن عمر بن علی، عن أبیہ، | علی بن حسین سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ہم |
| سمعت علی بن الحسین یقول: | لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی |
| کنا نعلم مغازی النبی صلی اللہ | کی تعلیم دیتے تھے، جس طرح قرآن کی سورۃ |
| علیہ وسلم، کما نعلم السورۃ | کی تعلیم دیتے تھے، |
| من القرآن[2]، | |

آل رسول کا علم خاندانی و موروثی تھا، اس کا ہر فرد علم و عمل میں فرد تھا اور ان میں بچپن ہی سے تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام ہوتا تھا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے لڑکوں اور بھتیجوں سے کہا کرتے تھے کہ آج تم لوگ علم حاصل کر لو، اگر اس وقت تم چھوٹے ہو تو کل بڑے ہو جاؤ گے اور جو یاد نہ کر سکے وہ لکھ لے،[3]

[1] المعارف ص ۹۱ و العبر ج ۱ ص ۱۱۱ و ابن خلکان ج ۱ ص ۳۴۴ طبع قدیم، [2] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۴۲ [3] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۸۲،

**مغیرہ بن عبد الرحمن مخزومی مدنیؒ** | ابو ہاشم مغیرہ بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام بن مغیرہ مخزومی مدنی متوفی ما بین سنہ ۱۰۱ھ اور سنہ ۱۰۵ھ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے، ان کے شاگردوں میں محمد بن اسحاق اور ان کے والد اسحاق بن یسار کے علاوہ امام مالک اور کئی اہل مدینہ ہیں، ان کا خاندان اشراف قریش سے تھا، وہ مغازی میں ابان بن عثمانؓ کے تلمیذ خاص اور ان کی کتاب المغازی کے راوی ہیں، ابن سعد نے اپنے استاد واقدی کا یہ بیان ان کے بارے میں نقل کیا ہے،

| | |
|---|---|
| وکان قلیل الحدیث الا مغازی | وہ قلیل الحدیث تھے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ |
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | علیہ وسلم کی مغازی کی تعلیم ابان بن عثمان |
| أخذ ھا من ابان بن عثمان | سے حاصل کی تھی اور بسا اوقات مغازی |
| فکان کثیراً ما تقرء علیہ و | ان سے پڑھی جاتی تھی اور وہ ہم لوگوں |
| یأمرنا بتعلیمھا،[1] | کو اس کی تعلیم کا حکم دیتے تھے، |

سخاوت اور جہاد ان کا محبوب مشغلہ تھا، کئی بار ملک شام جا کر جہاد میں شریک ہوئے، اسی میں ایک آنکھ چلی گئی تھی، واقدی کا بیان ہے کہ وہ متعدد بار ملک شام میں جہاد کے لیے گئے، اور مسلمہ بن عبد الملک کے لشکر میں شامل ہوئے جو سرزمین روم میں پھنس گیا تھا اور عمرؓ بن عبد العزیز نے اس کو واپس بلایا، ان کا انتقال مدینہ میں ہوا، انھوں نے شہدائے احد کے ساتھ دفن کرنے کی وصیت کی تھی، مگر خاندان والوں نے جنۃ البقیع میں دفن کیا، ایک روایت کے مطابق ان کا انتقال شام میں بحالت مرابطت ہوا،

**عکرمہ مولیٰ ابن عباس مدنیؒ** | عکرمہ مولیٰ عبد اللہ بن عباس مدنی متوفی سنہ ۱۰۵ھ رحمۃ اللہ علیہ

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۶،



حضرت ابن عباسؓ کے ان چھ تلامذہ میں سے ہیں جنھوں نے ان کے فقہی اصول اور مسلک پر عمل کر کے اس کی تعلیم دی، عکرمہ اپنے آقا ابن عباسؓ کے علم کے حامل اور ترجمان ہونے کی حیثیت سے فقہ و فتویٰ اور تفسیر میں زیادہ مشہور ہیں، اسی کے ساتھ سیر و مغازی کے زبردست عالم اور اس فن میں بھی ابن عباسؓ کے ترجمان ہیں، مغازی میں ان کے تبحر کا یہ حال تھا کہ جب اس کا درس دیتے تو سامعین کے سامنے میدان جہاد کا نقشہ کھنچ جاتا تھا، سفیان ابن عیینہ کا بیان ہے،

| | |
|---|---|
| کان عکرمۃ اذا تکلم | جب عکرمہ مغازی بیان کرتے تھے اور |
| فی المغازی فسمعہ انسان | کوئی شخص سنتا تھا تو کہتا تھا کہ گویا وہ |
| قال کانہ مشرف علیھم | اسلامی لشکر کو میدان کارزار میں دیکھ |
| یراھم[1] | رہا ہے، |

خاص طور سے سیر میں وہ اپنے معاصرین میں سب سے آگے تھے، قتادہ کا قول ہے

| | |
|---|---|
| کان أعلم الناس أربعۃ کان | چار علماء اپنے زمانہ میں سب سے بڑے |
| عطاء بن أبی رباح أعلمھم | عالم تھے، عطاء بن ابو رباح مناسک |
| بالمناسک، وکان سعید | حج میں، اور سعید بن جبیر تفسیر میں اور عکرمہ |
| بن جبیر أعلمھم بالتفسیر | سیر میں اور حسن بصری حلال و حرام میں، |
| وکان عکرمۃ أعلمھم | |
| بالسیر، وکان الحسن أعلمھم | |
| بالحلال والحرام،[2] | |

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۶ [2] اتقان ج ۲ ص ۲۴۳

سیوطی نے تدریب الراوی میں قتادہ کا قول یوں نقل کیا ہے۔

.... وعکرمة مولیٰ ابن عباس أعلمهم بسيرة النبي صلى الله عليه وسلم[1]

عکرمہ مولیٰ ابن عباس ان سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے سب سے بڑے عالم تھے،

ایوب سختیانی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عکرمہ ہمارے یہاں بصرہ آئے، واپسی پر میں ان کے ساتھ مقام مربد تک گیا، اس درمیان میں وہ احادیث بیان کرتے رہے، آخر میں کہنے لگے کیا تمہارے امام حسن ایسے اچھے انداز میں حدیث بیان کر سکتے ہیں؟ یہ واقعہ نقل کر کے علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ اہل علم کو معلوم ہے کہ حسن بصری بہت سی باتیں عکرمہ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

وإن كان عكرمة مقدماً عندهم في تفسير القرآن والسير[2]

اگرچہ عکرمہ اہل علم کے نزدیک قرآن کی تفسیر اور سیر میں مقدم ہیں۔

عکرمہ عالم اسلام کے مختلف ملکوں اور شہروں میں گھوم گھوم کر تفسیر، فقہ اور سیر و مغازی کا درس دیتے تھے، ابن ابو حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں اس کی تفصیل دی ہے اور بتایا ہے کہ انھوں نے مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، واسط، مصر، جزیرہ، سجستان، خراسان، یمن، جرجان، سمرقند میں درس حدیث دیا ہے،[3]

**عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری مدنیؒ** ابو عمر عاصم بن قتادہ بن نعمان انصاری اوسی ظفری مدنی متوفی سنہ ۱۲۰ھ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور فدائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، عاصم بن عمر کثیر الحدیث ثقہ محدث اور سیر و مغازی کے زبردست

۱؎ تدریب الراوی ص ۲۰۵ ۲؎ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۵ ۳؎ الجرح والتعدیل ج ۳ قسم ۲ ص ۷، ۸، ۹،



عالم تھے، ابن سعد نے لکھا ہے،

كان راوية العلم، وله علم بالمغازي والسير[1]

وہ حدیث کے راوی تھے اور ان کو مغازی اور سیر کا علم تھا۔

ابن قتیبہ کا قول ہے

هو صاحب السير والمغازي[2]

وہ سیر و مغازی کے مشہور عالم تھے،

اور ذہبی نے تصریح کی ہے،

شيخ محمد بن اسحاق، وكان اخبارياً، علامة بالمغازي،[3]

وہ محمد بن اسحاق کے شیخ ہیں اور اخبار و احداث کے عالم اور مغازی کے علامہ ہیں،

محمد بن اسحاق ان کے خصوصی شاگرد تھے، امام ابن شہاب زہری کے نزدیک محمد بن اسحاق کے واسطہ سے عاصم بن عمر کی مغازی کی روایات نہایت مستند تھیں اور وہ ان کو بلا تامل فوراً قبول کر لیتے تھے،

ان الزهري كان يتلقف المغازي من ابن اسحاق فيما يحدثه عن عاصم بن عمر ابن قتادة،[4]

زہری محمد بن اسحاق سے ان روایتوں کو فوراً قبول کر لیتے تھے جن کو وہ عاصم بن عمر بن قتادہ سے بیان کرتے تھے،

عاصم بن عمر کے دوسرے شاگرد ابو الاسود یتیم عروہ ہیں جنھوں نے مغازی میں ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے،

سیر و مغازی میں تبحر و ثقاہت کی وجہ سے عمر بن عبد العزیزؓ نے ان کو حکم دیا کہ جامع دمشق

۱؎ طبقات ابن سعد ج وتہذیب التہذیب ج ۵ ص ۵۴ ۲؎ المعارف ص ۲۰۵ ۳؎ العبر ج ۱ ص ۱۵۱

۴؎ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۵۱

میں مغازی اور مناقب صحابہ بیان کریں اور انھوں نے اس کی تعمیل کی[1]، ان کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۲۰ھ میں ہوا۔

**شرحبیل بن سعد انصاری مدنیؒ** ابوسعد شرحبیل بن سعد خطمی انصاری مدنی متوفی ۱۲۳ھ رحمۃ اللہ علیہ سیر و مغازی کے مشہور عالم ہیں، بڑی عمر پائی تھی، ان کا شمار شیوخ مدینہ میں ہوتا تھا، انھوں نے کبار صحابہ سے حدیث کی روایت کی ہے، ان کے تلامذہ میں محمد بن اسحاق اور عکرمہ مولیٰ ابن عباس علمائے مغازی میں سے ہیں، کبر سنی کی وجہ سے آخر عمر میں حواس مختل ہو گئے تھے اس کی وجہ سے انکی روایات میں کلام کیا گیا ہے مگر ان کے مغازی میں کلام نہیں ہے، ابن ابوحاتم نے لکھا ہے،

وکان عالماً بالمغازی[2] — وہ مغازی کے عالم تھے،

خاص طور سے شرکائے بدر کے علم میں امتیازی مقام رکھتے تھے، اس کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا، مگر ایک مضحکہ خیز بات کی وجہ سے ان کو متہم کیا گیا، ابن ابی حاتم نے امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے کہ علی بن عبد اللہ مدینیؒ نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا کہ کیا شرحبیل بن سعد فتویٰ دیا کرتے تھے؟ تو انھوں نے اثبات میں جواب دے کر کہا۔

ولم یکن بالمدینۃ احد اعلم بالمغازی والبدر منہ — مغازی اور اصحاب بدر کے بارے میں مدینہ میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا،

مگر محتاجی کی وجہ سے لوگوں نے ان کو متہم قرار دیا اور گویا ڈرنے لگے کہ اگر وہ کسی سے سوال کریں اور وہ پورا نہ کرے تو کہہ دیں گے کہ تمہارے باپ غزوۂ بدر میں شریک تھے،[3] ابن مدینی کا تقریباً یہی بیان ابن حجر نے بھی نقل کیا ہے[4] تعجب ہے کہ مدینہ میں اپنے

---

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۴۵ ۲؎ الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۳۳۸ ۳؎ الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۳۳۹ ۴؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۲۱۔



زمانہ کے سب سے بڑے عالم مغازی اور شرکائے بدر کے بارے میں خصوصی علم رکھنے والے کو بڑھاپے اور محتاجی کی وجہ سے اس الزام سے دوچار ہونا پڑا جبکہ مدینہ میں خوشحالی اور فارغ البالی اپنے عروج پر تھی اور وہاں کے اجواد و اسخیاء حاجتمندوں کی مدد خفیہ طور سے کیا کرتے تھے، ایسے شہر اور ایسے ماحول میں شرحبیل بن سعد شیوخ مدینہ میں ہو کر لوگوں سے سوال کریں اور پورا نہ ہونے پر علمی خیانت پر اتر آئیں، یہ بات آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتی ہے۔

**یعقوب بن عتبہ ثقفی مدنیؒ** یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس بن شریق ثقفی مدنی متوفی ۱۲۸ھ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، ان کے شیوخ میں ابان بن عثمان اور عروہ بن زبیر مغازی کے اولین مصنف ہیں، وہ کثیر الحدیث ثقہ محدث و فقیہ اور سیر و مغازی کے عالم تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے۔

کان ثقۃ، لہ احادیث کثیرۃ وروایۃ وعلم بالسیرۃ وغیر ذلک[1] — وہ ثقہ محدث تھے، ان کے پاس احادیث اور ان کی روایت تھی نیز سیرت وغیرہ کے عالم تھے،

سیر و مغازی اور تاریخ کی کتابوں میں انکی روایات موجود ہیں، سیرت ابن ہشام میں تقریباً بارہ[12] مقامات پر ابن اسحاق نے ان سے یوں روایت کی، قال ابن اسحاق: وحدثنی یعقوب بن عتبۃ بن المغیرۃ بن الاخنس بن شریق الثقفی، تاریخ طبری میں بھی انکی روایتیں ہیں۔

یعقوب بن عتبہ کو علم و فضل کی وجہ سے امراء اعمال صدقات وغیرہ کا نگران مقرر کرتے تھے، مدینہ منورہ میں سیر و مغازی کے ان سب علماء و مصنفین کی وفات دوسری صدی کے ابتدائی دور میں ہوئی ہے، مگر انکی تعلیمی و تصنیفی سرگرمیوں کا شباب پہلی صدی کے نصف ثانی میں تھا اور اسی میں انھوں نے اس علم کی ترویج و اشاعت اور تدوین و تالیف کی

---

۱؎ طبقات ابن سعد ج ص و تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۹۲،